التحذیر من فتنة التکفیر

فتنۂ تکفیر

فضیلة الشیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

تقریظات

شیخ ابن باز وابن عثیمین رحمہما اللہ

ترجمہ وتبویب

طارق علی بروہی

توحیدِ خالص ڈاٹ کام

www.tawheedekhaalis.com

التحذیر من فتنة التکفیر

فتنہ تکفیر

فضیلۃ الشیخ محمد ناصرالدین البانی رحمۃ اللہ علیہ

(محدث دیارِ شام)

تقریظات از شیخ ابن باز وابن عثیمین رحمہما اللہ

ترجمہ وتبویب: طارق علی بروہی

Cover & Design

@ManzoorWaniJK (Twitter)

توحیدِ خالص ڈاٹ کام

www.tawheedekhaalis.com

© حقوق محفوظ توحید خالص ڈاٹ کام

www.tawheedekhaalis.com

فہرست

مقدمہ	1
جواب از شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ	1
خوارج	2
دینی جماعتوں کے انحراف کے دو اہم اسباب	3
سلفی منہج	3
آیتِ تحکیم کی صحیح و سلفی تفسیر	10
کفر دون کفر	14
کفرِ عملی و کفرِ اعتقادی	20
تکفیر حکام و محکومین	22
ایک شبہ (ایک بار یا کسی معین معاملہ میں کبھی حکم بغیر ما انزل اللہ کرنے سے کوئی کافر نہیں ہوتا لیکن اگر بار بار یا ہمیشہ حکم بغیر ما انزل اللہ کیا جائے تو کافر ہو جاتا ہے)	24
استحلال قلبی اور استحلال عملی میں فرق	26
مرتد کے بارے میں حکم کا عملی نفاذ؟	29
غلبہ و اقامت دین کا صحیح طریقۂ کار کیا ہے؟	32
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ "التصفیہ والتربیہ"	37
تقریظ از سماحۃ العلامہ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ	43
شیخ البانی و ابن باز رحمۃ اللہ علیہما کے کلام پر تقریظ از فقیہ الزمان محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ	50

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

سوال: شیخ صاحب آپ پر یہ بات مخفی نہیں کہ جنگِ افغانستان جس میں باکثرت گمراہ جماعتیں اور فرقے ملوث تھے اور وہ ہمارے ان سلفی نوجوانوں میں جو افغانستان جہاد کی غرض سے گئے تھے اپنے سلفی منہج سے خارج افکار پروان چڑھانے میں کامیاب ہوئے، اور انہی (غیر سلفی) افکار میں سے تکفیرِ حکام اور بقول ان کے مردہ سنت کو زندہ کرنا جیسے خود کش حملے وغیرہ بھی ہیں۔اب جب یہ سلفی نوجوان اپنے اپنے وطن لوٹے ہیں تو ہمارے درمیان ان منحرف افکار اور شبہات کی دسیسہ کاری شروع کردی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ کے اور ساتھیوں میں سے کسی بھائی کے درمیان کچھ برس پہلے اس بات پر طویل مناقشہ ہوچکا ہے۔ لیکن ان کیسٹوں کی ریکارڈنگ کچھ غیر واضح ہے۔اسی وجہ سے ہم یہ چاہتے ہیں کہ فضیلۃ الشیخ اس مسئلہ کے بارے میں کچھ وضاحت بیان کیجئے۔ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب از شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ

إن الحمد لله نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله. اما بعد:

خوارج

یہ مسئلہ تکفیر[1] صرف حکام ہی سے متعلق نہیں بلکہ محکومین (عوام) سے بھی متعلق ہے۔ یہ ایک قدیم فتنہ ہے جسے قدیم اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ نے جنم دیا جو کہ ''خوارج'' کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ خوارج کا ذکر فرقوں کے بارے میں لکھی گئی کتابوں میں مذکور ہے، اورانہیں کا ایک فرقہ آج تک موجود ہے لیکن دوسرے نام سے یعنی ''اباضیہ''۔

یہ اباضیہ فرقہ ماضی قریب تک معاشرے سے بالکل الگ تھلگ اور بس اپنے آپ تک محدود تھا جو کسی قسم کی دعوتی سرگرمیوں میں مصروف عمل نہیں تھا۔ لیکن گزشتہ کچھ سالوں سے انہوں نے باقاعدہ سرگرمیوں کا آغاز کردیا ہے اور اس سلسلے میں کچھ رسائل اور ایسے عقائد کی بھی نشرواشاعت کی ہے جو کہ ہو بہو قدیم خوارج کے عقائد تھے۔ مگر وہ اپنی اس شناخت کو اہل تشیع کی طرح تقیہ سے کام لیتے ہوئے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم خوارج نہیں ہیں، جبکہ آپ سب یہ جانتے ہیں کہ نام بدلنے سے حقائق کو نہیں بدلہ جاسکتا۔ یہ لوگ گناہ کبیرہ کے مرتکب کی تکفیر میں بالجملہ خوارج کے ساتھ ہیں۔

---

[1] یہاں سے شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام شروع ہوتا ہے جس کی ریکارڈنگ کی تکمیل کیسٹ نمبر (670) بتاریخ 1413/5/12ھ بمطابق 1992/11/7ع میں ہوئی، اور یہ ایک کتاب ''فتاوی الشیخ الألبانی ومقارنتھا بفتاوی العلماء'' کے ضمن میں طبع بھی ہوچکا ہے جس کی جمع وترتیب عکاشہ عبدالمنان نے کی دیکھیے ص:238-253، اوراسی طرح مجلۃ السلفیۃ کے عدد اول 1415ھ میں اور میگزین المسلمون عدد (556) بتاریخ 1416/5/5ھ بمطابق 1995/9/29ع میں بھی شائع ہوا۔

دینی جماعتوں کے انحراف کے دو اہم اسباب

آج کچھ جماعتیں قرآن وسنت کی جانب دعوت دینے میں جماعتِ حقہ کے ساتھ ہیں لیکن صد افسوس کہ انہوں نے بھی کتاب وسنت سے خروج کی خود قرآن وسنت کے نام پر ایک نئی راہ نکالی ہے۔

میرے فہم ونقد کے مطابق اس کے دو اہم اسباب ہیں:

اول: علم میں عدم گہرائی اور دین میں عدم تفقہ۔

دوم: جو کہ بہت اہم ہے وہ یہ کہ انہیں شرعی قواعد کا بالکل بھی علم نہیں، جبکہ یہ اساس ہے اس صحیح اسلامی دعوت کی کہ جس سے انحراف کرنے والے کو رسول اللہ ﷺ کی بہت سی احادیث فرقۂ ناجیہ (نجات یافتہ گروہ) سے خارج کرتی ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر خود اللہ تعالی نے اس جماعت کے ذکر میں واضح وبیّن دلیل بیان کی کہ جو اس سے الگ ہوگا وہ اللہ ورسول کی مخالفت کرنے والا متصور ہوگا۔ میری اس سے مراد اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

سلفی منہج

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء: 115)

(جو کوئی ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں (صحابہ) کی راہ چھوڑ کر کوئی اور راہ چلے، تو ہم اسے وہی پھیر دیں گے جہاں وہ خود پھرا اور اسے جہنم پہنچا دیں گے اور وہ کتنی بری پلٹنے کی جگہ ہے)

اہل علم جانتے ہیں کہ اللہ تعالی نے صرف اس بات پر اکتفاء نہیں کیا کہ جو ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جہاں وہ پھرتا ہے، اس طرح نہیں کہا گیا، بلکہ مخالفتِ رسول ﷺ کے ساتھ ہی اتباع غیر سبیل المؤمنین (مومنوں کی راہ کی مخالفت) کو بھی ذکر کیا تو اللہ تعالی نے اس طرح ارشاد فرمایا ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾

سبیل المومنین کی اتباع کرنا یا اتباع نہ کرنا اثباتاً و نفیاً ہر دو اعتبار سے ایک نہایت اہم معاملہ ہے۔ جو سبیل المومنین کی پیروی کرے گا وہ رب العالمین کے یہاں ناجی قرار پائے گا اور جو سبیل المومنین کی مخالفت کرے گا تو اسے جہنم ہی کافی ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

یہی وہ اہم نکتہ ہے جس پر اکثر قدیم وجدید جماعتوں نے ٹھوکر کھائی ہے کہ انہوں نے سبیل المومنین کی پیروی نہیں کی اور قرآن وسنت کی تفسیر کے سلسلے اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے اور اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ اور اسی غلط فہم کی بنا پر اُنہیں انتہائی خطرناک نتائج سے دوچار ہونا پڑا اور انہی خطرناک نتائج میں سے ایک سلف صالحین کے منہج سے انحراف ہے۔

اس آیت کریمہ کے فقرے ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کی صریح و واشگاف

انداز میں تاکید و تشریح نبی اکرم ﷺ نے اپنی کئی ایک احادیث کریمہ میں بیان فرمائی جن میں سے کچھ میں بیان کروں گا جو کہ خواص تو در کنار عام مسلمانوں تک سے مخفی نہیں۔ ہاں! البتہ جو چیز ان پر مخفی ہے وہ ان احادیث کا قرآن وسنت کی بارے میں سبیل المؤمنین کی پیروی کرنے کے وجوب پر دلالت کناں ہونا اور اس کی تاکید کرنا ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جسے بڑے بڑے خواص بھولے ہوئے ہیں چہ جائیکہ عوام کو موردِ الزام ٹھہرایا جائے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر خود وہ لوگ بھی غافل ہیں جنہیں "جماعتِ تکفیر" کے نام سے جانا جاتا ہے۔

یہ لوگ ممکن ہے کہ اپنے تئیں نیک ہوں، مخلص ہوں، لیکن کسی شخص کو عنداللہ نجات یافتہ اور فلاح یاب ہونے کے لئے محض نیک نیتی اور اخلاص کافی نہیں، بلکہ ایک مسلم پر یہ لازم ہے کہ وہ ان دو امور کو یکجا رکھے یعنی اللہ تعالی کے لئے نیت میں اخلاص اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی بطریق احسن اتباع۔

چناچہ ثابت یہ ہوا کہ ایک مسلمان چاہے اپنے قرآن وسنت پر عمل اور ان کی طرف دعوت دینے میں کتنا ہی مخلص و سنجیدہ کیوں نہ ہو مگر اس کی اس عمل میں ایک شرط کا اضافہ لازمی امر ہے وہ یہ کہ اس کا منہج بھی سیدھا و سلیم ہو۔

انہی چند مشہور و معروف احادیث میں سے جن کی جانب میں نے اشارہ کیا تھا ایک تہتر (73) فرقوں والی حدیث ہے۔ جو کہ آپ میں سے ہر ایک کو معلوم ہے یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”تَفرَّقت اليهودُ على إحدَى وسبعينَ فرقةً، وتَفرَّقت النَّصارى على اثْنتينِ وسبعينَ فرقةً، وستفترقُ أمتى على ثَلاثٍ وسبعينَ فرقةً، كلُّها فى النارِ إلا واحدة، قالوا: من هى يا رسول الله؟ قال: هى ما أنا عليه وأصحابى“[2]

(یہودیوں نے تفرقہ کیا حتی کہ وہ اکہتّر فرقے بن گئے اور نصاریٰ تفرقے کے سبب بہتّر فرقے بن گئے اور میری یہ امت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور وہ تمام کے تمام فرقے آگ میں جائیں گے سوائے ایک کے، صحابہ نے دریافت فرمایا: وہ ایک فرقہ کونسا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس چیز پر آج میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں)۔

ہم یہ پاتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرقۂ ناجیہ سے متعلق پوچھنے والوں کو دیا گیا جواب اللہ تعالی

2 صحیح ترمذی 2641 کے الفاظ ہیں: ”لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ، حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ، وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي“ (میری امت پر بھی وہی حالات آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے تھے جیسا کہ ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدکاری کی ہوگی تو میری امت میں سے بھی کوئی ایسا ہوگا جو ایسی حرکت کر جائے گا۔ اور بے شک بنی اسرائیل بہتّر ملتوں میں متفرق ہوگئے تھے اور میری یہ امت تہتّر ملتوں میں تقسیم ہوجائے گی جو سب کے سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک ملت کے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی وہ (نجات پانے والی) کونسی ہوگی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس چیز پر میں ہوں اور میرے صحابہ)۔ (توحید خالص ڈاٹ کام)

کے اس فرمان ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔ سووہ مومنین جو اس آیت کریمہ میں مقصود ہیں وہ اصحابِ رسول اللہ ﷺ ہیں اور یہی چیز رسول اللہ ﷺ نے فرقۂ ناجیہ کے اوصاف کے تعلق سے ذکر فرمائی یعنی ''مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي''۔

نبی اکرم ﷺ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ ''مَا أَنَا عَلَيْهِ''(جس چیز پر میں قائم ہوں) حالانکہ فی الواقع یہ ایک کافی وافی جواب ہوتا ہر اس شخص کے لئے جو کتاب وسنت کا کماحقہ فہم رکھتا ہے، لیکن آپ ﷺ نے گویا اللہ تبارک وتعالی کے اس قول کو عملی جامہ پہناتے ہوئے کہ جس میں اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے حق میں فرمایا:

﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (التوبة:۱۲۸)

(مومنوں کے ساتھ نہایت ہی شفیق ومہربان ہیں)

تو یہ نبی اکرم ﷺ کی کمال شفقت ومہربانی کا ہی تقاضہ تھا کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اور پیروکاروں کے لئے فرقۂ ناجیہ کی علامت واضح طور پر بیان کی کہ وہ اس چیز پر قائم ہوں گے جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ قائم تھے۔

مذکورہ بالا بیان سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ فہمِ کتاب و

سنت کے لئے محض ان وسائل پر اقتصار کرے جو اگرچہ ضروری تو ہیں مثلاً عربی زبان کی معرفت، ناسخ و منسوخ کا علم اور دیگر تمام قواعد، لیکن ان تمام قواعد عامہ کے علاوہ اس منہج کی جانب رجوع بھی لازم ہے جس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم گامزن تھے کیونکہ یہ بات سب پر عیاں ہے جیسا کہ ان کے آثار و سیرت سے معلوم چلتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ تعالی کی عبادت میں مخلص ترین تھے اور قرآن و سنت کا بلاشبہ ہم سے زیادہ فہم رکھتے تھے اور ان کے علاوہ بھی بہت سے خصائلِ حمیدہ ہیں جن کے سانچے میں انہوں نے اپنے آپ کو ڈھالا تھا۔

یہ حدیث مذکورہ آیت کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ ہوگئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کے لئے فرقۂ ناجیہ میں شمار ہونے کے لئے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ اس منہج پر ہو جس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ حدیث حدیثِ خلفائے راشدین کے بالکل مشابہ ہے جسے سنن [3] نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرمایا:

"وعظنا رسول الله موعظة وجلت منها القلوب وذرفت منها العيون، فقلنا: أوصنا يا رسول الله. قال: أوصيكم بالسَّمعِ والطاعة وإنْ وُلِّي عليكم عبدٌ حَبَشي، وإنه منْ يَعِشْ منكم فسيرى اختلافاً كثيراً، فعليكم بسُنَّتي وسنة الخلفاء

3سنن یعنی سنن اربعہ جیسے سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابی داؤد۔ (توحید خالص ڈاٹ کام)

الرَّاشِدِین...‘‘[4]

(ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسا وعظ کیا جس سے دل دہل گئے اور آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہمیں کچھ وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں خواں تم پر کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ حکومت کرے کیونکہ جو میرے بعد زندہ رہا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ تمہیں چاہیے کہ تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو تھامے رہنا...اور آخر تک جو حدیث ہے)۔

---

[4] صحیح ترمذی 2676 کے الفاظ ہیں: ’’وَعَظَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمًا بَعْدَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقَالَ رَجُلٌ: إِنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ، وَالسَّمْعِ، وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ يَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ، فَمَنْ أَدْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ‘‘[4] (رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دوپہر کی نماز کے بعد ایک بلیغ قسم کا وعظ فرمایا جس سے آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور دل دہل گئے، پس ایک شخص نے کہا بلاشبہ لگتا ہے کہ گویا یہ کسی الوداع کہنے والے کا وعظ ہے تو اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ہم سے کیا عہد لیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالی کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور (حکومت کی بات) سننے اور اطاعت کرنے کی اگرچہ (تمہارا حاکم) کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ میرے بعد تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا۔ اور (دین میں) نئے نئے کاموں سے بچو کیونکہ یہ گمراہی ہیں۔ تم میں سے جو کوئی ایسے حالات پالے تو اسے چاہیے کہ وہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑے اور اسے اپنے جبڑوں کے ساتھ مضبوطی سے تھام لے)۔ (توحید خالص ڈاٹ کام)

اس حدیث میں وہی شاہد ہے جو اس سے پہلے والی حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا تھا یعنی صحابہ کو اور اپنی امت کو محض اپنی سنت سے تمسک کی نصیحت نہیں کی بلکہ اس پر ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کا بھی اضافہ فرمایا۔

اسی لئے ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم ہمیشہ اپنے عقیدے، عبادت، اخلاق اور سلوک کے صحیح فہم کے لئے سلف صالحین کے فہم کی طرف رجوع کریں تاکہ ایک مسلمان کا شمار فرقۂ ناجیہ میں ہو سکے۔

یہی وہ اہم نکتۂ امتیاز ہے جس سے غفلت برت کر تمام قدیم وجدید فرقے اور جماعتیں گمراہ ہوئے کیونکہ انہوں نے اس منہج کو قبول نہیں کیا جس منہج کی جانب یہ آیت مبارکہ، حدیثِ فرقۂ ناجیہ اور حدیث خلفائے راشدین رہنمائی کرتی ہیں۔ جس کا فطری و منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ کتاب اللہ، سنت نبوی ﷺ اور منہج سلف صالحین سے اسی طرح منحرف ہوئے جیسا کہ ان سے پہلے لوگ منحرف ہوئے تھے۔

آیتِ تحکیم کی صحیح وسلفی تفسیر

انہیں گمراہ فرقوں میں سے ایک قدیم وجدید خوارج ہیں۔ تکفیر کا اصل محور جس کے گرد اگرد اس دور میں تکفیر نے اپنا سر اٹھایا وہ ایک آیت کریمہ ہے جسے یہ لوگ ہمیشہ پیش کیا کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالی کا یہ فرمان عالی شان ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدۃ:۴۴)

(اور جو کوئی بھی اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق حکم (فیصلے) نہیں کرتے پس ایسے ہی لوگ کافر ہیں)

اور ہم سب یہ جانتے ہیں کہ اس آیت کے خاتمے پر تین قسم کے الفاظ وارد ہوئے ہیں:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾(المائدۃ:۴۴)

(اور جو کوئی بھی اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق حکم (فیصلے) نہیں کرتے پس ایسے ہی لوگ کافر ہیں)

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾(المائدۃ:۴۵)

(اور جو کوئی بھی اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق حکم (فیصلے) نہیں کرتے پس ایسے ہی لوگ ظالم ہیں)

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾(المائدۃ:۴۷)

(اور جو کوئی بھی اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق حکم (فیصلے) نہیں کرتے پس ایسے ہی لوگ فاسق ہیں)

وہ اپنی جہالت کے سبب ان آیات میں سے صرف پہلی آیت کو بطور حجت پیش کرتے ہیں یعنی:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدۃ: ۴۴) انہوں نے کم از کم ان نصوص میں سے کچھ نصوص کو جمع تک کرنے کی زحمت گوارا نہ کی جن میں لفظ ''الکفر'' استعمال ہوا ہے۔ نتیجتاً آیت میں وارد لفظِ کفر کو بہر صورت دین سے خارج ہونا ہی گردانتے ہیں۔ پس ان کے نزدیک ایک مسلمان جو اس کفر میں مبتلا ہوا اور ان مشرکینِ یہود ونصاریٰ اور دیگر غیر مسلموں میں کوئی فرق نہیں!

جبکہ لغتِ قرآن وسنت میں لفظ ''الکفر'' کا محض یہی معنی نہیں جو یہ باور کراتے ہیں اور اپنے اس غلط فہم کو بہت سے ایسے مسلمانوں پر مسلط کرتے ہیں جو اس تکفیر سے بری ہوتے ہیں جسے یہ ان پر زبردستی منطبق کرنا چاہتے ہیں۔

لفظ تکفیر کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ یہ ہمیشہ صرف ایک ہی معنی یعنی دین سے خروج وارتداد پر ہی دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا باقی ماندہ ان دو لفظوں کا ہے جو آخر والی دو آیتوں میں بیان ہوئے یعنی ''الفاسقین'' اور ''الظالمین''۔ اب جس طرح سے ہر وہ شخص جسے ظالم یا فاسق کی صفت سے موصوف کیا گیا ہو ضروری نہیں کہ وہ دین سے مرتد ہو گیا اسی طرح اگر کسی کے بارے میں وارد ہو کہ اس نے کفر کیا لازم نہیں کہ وہ دین سے مرتد ہو گیا۔

اس ایک لفظ کے معنی میں یہ فرق لغتِ عرب سے ثابت ہے اور ہماری شریعت یعنی قرآن کریم

جو کہ عربی زبان میں ہے سے بھی یہی ثابت ہے۔ اس وجہ سے جس کسی کو بھی حکم الہی کی مخالفت کا سامنا ہے چاہے وہ حکام ہوں یا عوام ان پر یہ واجب ہے کہ وہ کتاب وسنت اور منہج سلف صالحین کی اساس پر حاصل شدہ علم پر قائم ہوں۔

قرآن اور اس سے ملحقہ علوم کا فہم عربی زبان کی خصوصی معرفت کے سوا ممکن نہیں، اور ایسا عین ممکن ہے کہ کسی انسان کو عربی لغت پر اتنا قوی اور مکمل عبور حاصل نہ ہو تو ایسا شخص اپنے اس نقص کا جو وہ اپنے اندر محسوس کرتا ہے ازالہ اس طور پر کر سکتا ہے کہ وہ ان علماء کرام کے کلام کی طرف رجوع کرے جو اس سے پہلے ہو گزرے ہیں خصوصاً جن کا تعلق ان قرون ثلاثہ (نبوت کے بعد ابتدائی تین نسلوں) سے ہو جن کے ہدایت یافتہ اور خیر پر ہونے کی گواہی خود نبی اکرم ﷺ نے دی۔ چنانچہ ان کی جانب رجوع کرنا اس خلا کو پُر کرنے میں معاون ثابت ہو گا جو عربی لغت اور اس کے آداب کے تعلق سے وہ اپنے اندر پاتا ہے۔

اب ہم دوبارہ اس آیت کی طرف آتے ہیں ﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓٮِٕكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ﴾ کیا یہ لازم ہے کہ یہ لفظ ﴿فَاُولٰٓٮِٕكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ﴾ کا مطلب صرف ملت اسلامیہ سے خروج ہی ہے یا پھر اس کا معنی کبھی اسلام سے خروج ہوتا ہے اور کبھی اس کے علاوہ یا اس سے کمتر بھی ہوتا ہے؟

یہاں اس آیت کے فہم میں کچھ دقتِ نظر سے کام لینا پڑے گا کیونکہ اس آیت ﴿فَاُولٰٓٮِٕكَ

﴿هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ سے کبھی مراد ملت اسلامیہ سے خروج ہوتا ہے اور کبھی اس سے مراد عملاً ملت اسلامیہ کے بعض احکام سے خروج ہوتا ہے۔اس کی صحیح تفسیر میں جو چیز ہماری معاونت کرے گی وہ صحابیٔ رسول ترجمان القرآن جناب سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں کیونکہ تمام مسلمان ماسوا کچھ گمراہ فرقوں کے اس بات کے معترف ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہما تفسیر کے معاملہ میں امام تھے،اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں سے بعض سلف نے میرے خیال میں شاید سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہما کو ''ترجمان القرآن'' کا لقب دیا[5]۔

کفر دون کفر

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان تفسیر کے امام اور جلیل القدر صحابی نے اُس دور میں بھی کچھ بالکل ایسی ہی باتیں سنی ہوں گی جو ہم آجکل سنتے ہیں یعنی ان کے نزدیک بھی کچھ ایسے لوگ تھے جو اس آیت کے ظاہری معنی ہی کو لیتے تھے اور جس تفصیل کی جانب میں نے ابھی اشارہ کیا تھا اسے

---

5 شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ سے کتاب العلم صحیح بخاری کی شرح میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مندرجہ بالا فضیلت کے متعلق پوچھا گیا، جب شیخ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے تفقہ فی الدین اور تاویلِ قرآن کے بارے میں دعاء کرنا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ان کے ہر بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح صحیح و معصوم عن الخطاء ہو۔ جس پر ایک طالبعلم نے دریافت کیا: (ان سے غلطی کا صدور ممکن ہے) تو کیا آیت تحکیم ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم ---﴾ سے متعلق ان کی تفسیر کفر دون کفر (کمتر کفر) صحیح ہے؟ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہاں، کیوں نہیں بالکل صحیح ہے حکم کرنے والے کے مختلف حالات کے اعتبار سے یہ تفسیر بالکل صحیح وصواب ہے۔(توحید خالص ڈاٹ کام)

نہیں مانتے تھے۔ یعنی کبھی اس کا ظاہری معنی (کافرین بمعنی دین سے مرتد ہو جانا) مراد نہیں بھی ہوتا کیونکہ کبھی اس سے کم تر کفر بھی مراد ہوتا ہے اسی لئے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

”لیس الأمرُ کما یذهبون أو کما یظنون وإنما هو کفرٌ دون کفر“

(معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرف وہ گئے ہیں یا جیسا انہوں نے سمجھا ہے بلکہ اس سے مراد کفر دون کفر (مرتد کر دینے والے کفر سے کم تر کفر) ہے)۔

شاید کہ ان لوگوں سے آپ رضی اللہ عنہما کی مراد وہ خوارج تھے جنہوں نے امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر خروج کیا تھا اور مسلمانوں کا ناحق خون بہایا تھا اور ان کے ساتھ وہ کچھ کیا کہ جو مشرکین کے ساتھ بھی نہ کیا ہوگا۔ تو اس کے بارے میں ہی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”معاملہ اس طرح نہیں ہے جیسا انہوں نے سمجھا ہے بلکہ اس سے مراد کفر دون کفر ہے“[6]۔

اس آیت شریفہ کی تفسیر میں ترجمان قرآن کا یہ مختصر اور واضح جواب ہے۔ اسی طرح اس کے علاوہ اور جو دیگر ایسے نصوص ہیں جن میں کفر کا لفظ وارد ہوا ہے انہیں بھی اس فہم کے علاوہ سمجھنا ممکن نہیں جن کی طرف میں نے اپنے کلام کی ابتداء میں اشارہ کیا تھا[7]۔ لفظ کفر بہت

---

[6] دیکھیے ان آثار کی تخریج ”الصحیحہ“ ج 6 ص (109) اور اس کے بعد رقم (2552).

[7] شیخ علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام پر تعلیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”شیخ البانی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر سے حجت پکڑی ہے اور ان کے علاوہ بھی علماء دین نے اسے تلقی بالقبول (قبولیت) کے شرف سے نوازا ہے اگرچہ اس کی سند کے بارے میں کچھ کلام کیا گیا ہے لیکن ان تمام علماء نے نصوص کثیرہ میں اس قاعدے کی حقیقت کو جانتے ہوئے اسے تلقی بالقبول دیا ہے، جیسے نبی

اکرم ﷺ کا یہ فرمان: ''سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ'' (صحیح بخاری 48، صحیح مسلم 67) (مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے) اس کے باوجود مسلمان سے قتال اسے دین سے خارج نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ سے لے کر ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾ (الحجرات: 9-10) تک۔ (اور اگر مومنین کی دو جماعتیں آپس میں قتال کرنے لگیں تو ان میں صلح کروادیا کرو۔ پھر اگر ان دونوں میں کوئی ایک دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس باغی گروہ سے قتال کرو، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالی کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر وہ لوٹ آئے تو انصاف کے ساتھ ان کے درمیان صلح کروادو اور عدل کرو بیشک اللہ تعالی انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (یاد رکھو) سارے مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کروادیا کرو، اور اللہ تعالی سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے) لہذا اس باہم قتال کے باوجود اللہ تعالی نے انہیں ایمان کے لقب سے پکارا ہے، لیکن جیسا کہ تکفیر کے فتنے میں مبتلا لوگوں کی مرضی کے خلاف یہ بات جارہی تھی تو اب یہ کہنے لگے کہ یہ اثر غیر مقبول ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح طور پر ثابت نہیں۔ تو ہم انہیں جواب دیں گے: یہ کیسے صحیح ثابت نہیں جبکہ ان علماء نے جو تم سے بڑے، افضل اور حدیث کا زیادہ علم رکھنے والے تھے اسے شرف قبولیت سے نوازا ہے، اور تم کہتے ہو کہ ہم قبول نہیں کریں گے!!

ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ چوٹی کے علماء جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ نے بھی اسے تلقی بالقبول کے شرف سے نوازا ہے اور اس پر گفتگو بھی کرتے ہیں اور اسے نقل بھی کرتے ہیں، چناچہ ثابت ہوا کہ یہ اثر صحیح ہے۔ بالفرض اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ یہ اثر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح طور پر ثابت نہیں تو ہمارے پاس ایسے اور بہت سے نصوص ہیں جو اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ کفر کا اطلاق کبھی ایسے کفر پر بھی ہوتا ہے جو ملت اسلامیہ سے انسان کو خارج نہیں کرتا۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں بیان ہوا یا پھر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان: '' اثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ، الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ، وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ'' (صحیح

سے نصوص میں استعمال ہوا ہے لیکن ان سے کفر اکبر مراد نہیں کیونکہ جو لفظ کفران نصوص میں بیان ہوا ہے وہ ملت اسلامیہ سے خروج کے معنی میں استعمال نہیں ہوا[8]۔ انہی نصوص

مسلم 70) (لوگوں میں دو ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ کفر پایا جاتا ہے (اور وہ یہ ہیں) حسب ونسب پر طعن کرنا اور میت پر نوحہ کرنا)۔ اور بلاشبہ یہ عمل انسان کو ملت اسلامیہ سے خارج نہیں کرتا۔ مگر جس طرح کہا جاتا ہے کہ علمی بے بضاعتی اور شریعت کے قواعد عامہ کے بارے میں قلت فہم جیسا کہ شیخ البانی (وفقہ اللہ) نے اپنے کلام کے شروع میں ذکر کیا کہ گمراہی کے یہی اسباب ہیں۔

پھر ہم اس پر ایک اور چیز کا اضافہ کریں گے اور وہ ہے سوءارادہ جو سوء فہم کو مستلزم ہے، کیونکہ انسان جب کسی چیز کا ارادہ کر ہی لیتا ہے تو اس کا فہم بھی لازماً اس ارادہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے، اور اسی وجہ سے وہ نصوص تک میں تحریف کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ جبکہ علماء کرام کے نزدیک دین کے معروف قواعد میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ''استدل ثم اعتقد'' یعنی دلائل تلاش کرو پھر اس کے مطابق عقیدہ بناؤ، یہ نہیں کہ پہلے دل میں ایک عقیدہ بٹھا لو پھر دلائل کو توڑ مروڑ کر اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرو اور نتیجتاً گمراہ ہو جاؤ۔ لہٰذا یہ اسباب تین ہوئے:

1- علمی بے بضاعتی (کلاش پن)۔

2- شریعت کے قواعد عامہ کے بارے میں قلت فہم

3- سوء فہم جس کی بنیاد سوءارادہ یا قصد ہے''۔

8 شیخ ابن عثیمین ایک سائل کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''اسی سوء فہم میں سے یہ قول بھی ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ بات منسوب کرنا کہ: ''إذا أطلق الکفر فإنما یُراد به کفر أکبر'' (اگر کفر کا مطلقاً ذکر ہو تو اس سے مراد کفر اکبر ہی ہوتا ہے) چنانچہ وہ

میں سے مثلاً صحیح بخاری و مسلم کی ایک مشہور و معروف حدیث جو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ“[9]

(مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے)۔

اس قول کی بناپر اس آیت میں وارد لفظ کفر کو تکفیر کی دلیل بناتے ہیں ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ باوجودیکہ اس آیت میں کوئی ایسی دلیل نہیں جو یہ ثابت کرے کہ اس سے مراد ”الکفر“ ہے۔

ہاں البتہ جو قول آپ سے صحیح طور پر ثابت ہے وہ یہ ہے کہ آپ ”الکفر“ جو (ال) کے ساتھ اسم معرفہ آتا ہے اور جو ”کفر“ اسم نکرہ کے طور پر آتا ہے ان کے درمیان آپ تفریق کرتے تھے۔

جبکہ وصف کے اعتبار سے ہمارے لئے برابر ہے کہ ہم کہیں ”هؤلاء كافرون“ یا ”هؤلاء الكافرون“ (وہ کافر ہیں) ان دونوں سے مراد وہ کفر ہو سکتا ہے جو ملت سے خارج نہ کرے۔ چناچہ اصل تفریق جو آپ نے کی وہ تو فعل کو متصف کرنے یا فاعل کو متصف کرنے کے درمیان ہے۔ اسی بناپر ہم اس آیت کی وہ تاویل جو ذکر ہوئی بیان کرتے ہیں کہ حکم بغیر ما انزل اللہ ایسا کفر نہیں جو ملت اسلامیہ سے خارج کردے لیکن یہ کفر عملی ہے کیونکہ اس کے ذریعے حکم کرنے والا صحیح طریق سے خارج ہو چکا ہے۔

اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ ان وضعی قوانین کو کسی غیر سے حاصل کرکے اسی کے ذریعے اپنے ملک میں فیصلے کرتا ہے یا وہ خود انہیں ایجاد کرکے ان وضعی (خودساختہ) قوانین کو نافذ کرتا ہے۔ اصل بات جسے ملحوظ رکھنا ہے وہ یہ کہ کیا یہ آسمان سے نازل شدہ قانون کے مخالف ہے یا نہیں؟“۔

[9] صحیح بخاری 48، صحیح مسلم 67۔

''قِتَالُہُ کُفْرٌ'' میرے نزدیک عربی اسلوب میں فنِ تعبیر کے لحاظ سے یہ ایک قسم ہے، کیونکہ اگر کوئی کہنے والایوں کہتا ''سباب المسلم وقتاله فسوق''تو یہ بھی ایک صحیح کلام ہوتا کیونکہ فسق کے معنی معصیت کے ہیں یعنی اللہ کی اطاعت سے خروج کرنا۔ لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے فرمایا: ''سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُہُ کُفْرٌ''۔

ذرا غور کریں، کیا ہمیں یہ لائق ہے کہ ہم حدیث میں وارد لفظ ''فسق'' کی تفسیر سابقہ آیت کے دوسرے یا تیسرے لفظ ''فسق'' سے کریں۔ یعنی ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾... صورتحال کچھ اس طرح ہو کہ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ اور ''سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ''کیا یہ دونوں فسق برابر ہیں؟

بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ کبھی لفظ ''فسق'' اس لفظ ''کفر'' کے مترادف ہوتا ہے جس کفر کا معنی ملت اسلامیہ سے خروج ہوتا ہے اور کبھی یہ اس لفظ ''کفر'' کے معنی میں ہوتا ہے جس سے مراد ملت اسلامیہ سے خروج نہیں ہوتا، بلکہ اس سے وہی مراد ہوتا ہے جو کہ ترجمان قرآن نے بیان فرمایا یعنی کفر دون کفر۔

اور یہ حدیث اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ کفر کا کبھی یہ معنی بھی ہوتا ہے، کیوں؟

کیونکہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدٰهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ إِلٰٓى أَمْرِ اللّٰهِ﴾ (الحجرات:۹)

(اور اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کریں تو ان میں صلح کرادیا کرو۔ پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے قتال کرو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے)

اس مشہور آیت میں ہمارے رب تعالی اس باغی فرقے کا ذکر فرماتے ہیں جو فرقۂ ناجیہ یعنی برحق ومومن فرقہ سے قتال کرتا ہے اس کے باوجود ان پر کفر کا حکم نہیں لگایا، جبکہ حدیث کہتی ہے کہ: ''مسلمان کا قتل کفر ہے''۔ چناچہ ثابت یہ ہوا ان کا قتال کفر ہے لیکن دون کفر (کم تر کفر) جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سابقہ آیت کی تفسیر میں فرمایا۔

کفرِ عملی و کفرِ اعتقادی

مسلمان کا مسلمان سے قتال کرنا بغاوت ہے، زیادتی ہے، فسق وکفر ہے لیکن اس تفصیل کے ساتھ کہ کفر کبھی عملی ہوتا ہے اور کبھی اعتقادی۔ یہ اس تفصیلِ دقیق کا نکتہ آغاز ہے جس

کا عَلَم (جھنڈا) ترجمان قرآن نے اپنے ان جامع و مختصر کلمات کے ذریعے بلند کیا۔ جس کی شرح و بیان کی نیابت آپ رضی اللہ عنہما کے بعد امام برحق شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہونہار شاگرد رشید امام ابن القیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کی کیونکہ انہوں نے بھی ترجمان قرآن کی بیان کردہ کفر کی اس تقسیم پر خصوصی توجہ عنایت فرمائی۔ لہذا امام ابن تیمیہ اور ان کے تلمیذ ابن القیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہما اپنے کلام میں ہمیشہ کفر اعتقادی اور کفر عملی کے درمیان فرق کرنے کی اہمیت کو اجاگر کیا کرتے تھے، کیونکہ اگر اس فرق کو ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے تو مسلمان لاشعوری طور پر مسلمانوں کی جماعت سے خروج کے اس فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس میں زمانۂ قدیم کے خوارج مبتلا ہوئے تھے یا پھر دور حاضر میں انہی کے کچھ دُم چھلے مبتلا ہیں۔

توثابت یہ ہوا کہ ''قِتَالُهُ كُفْرٌ'' کا معنی ملت اسلامیہ سے خروج نہیں اور اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث انہیں معنوں میں وارد ہوئیں ہیں کہ اگر کوئی انہیں جمع کرنا چاہے تو ایک مفید رسالہ وجود میں آسکتا ہے، جس میں ناقابل تردید حجت ہے ان لوگوں کے خلاف جو اس آیت کی تفسیر صرف اور صرف کفر اعتقادی سے کرتے ہیں۔ جبکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسے نصوص کثیر تعداد میں موجود ہیں جن میں لفظ ''الکفر'' آیا ہے لیکن اس کا وہاں معنی ملت اسلامیہ سے خروج نہیں اور فی الحال تو ہمیں یہ حدیث ہی کافی ہے جو ایک دلیل قاطعہ ہے اس بات پر کے مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی سے قتال کرنا کفر عملی ہے نا کہ کفر اعتقادی۔

اب اگر ہم جماعتِ تکفیر اور ان کا نظریہ یعنی حکام اور ان کے ماتحت عوام اور خصوصاً جو ان کی

حکومت میں کام اور ملازمت کرتے ہیں کی تکفیر کی طرف نظر کرتے ہیں تو ہم پاتے ہیں کہ ان (ماتحتوں تک) کی تکفیر اس زاویہ سے کی جاتی ہے کہ وہ اس (حکم کے تحت راضی رہنے کی) معاصی کے مرتکب ہو کر کافر ہو چکے ہیں[10]۔

تکفیر حکام ومحکومین

من جملہ ان باتوں کو جو مجھے ہمارے سائل بھائی کے سوال سے یاد آئی یہ ہے کہ میں نے بعض ان ساتھیوں سے سنا جو پہلے جماعت تکفیر میں ہوا کرتے تھے پھر اللہ تعالی نے انہیں ہدایت عطا فرمائی۔ ہم نے ان سے دریافت کیا کہ ہمیں معلوم ہے آپ بعض حکام کی تکفیر کرتے ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ آپ آئمہ، خطباء، مؤذن وخدام مساجد کی بھی تکفیر کرتے ہیں اور اسی طرح علم شرعی کے اساتذہ جو مدارس ثانویہ اور جامعات میں پڑھاتے ہیں ان کی بھی تکفیر کرتے ہیں!!

تو وہ جواباً یہی کہتے تھے: کیونکہ یہ لوگ ان حکام کے ان احکامات سے راضی ہیں جو وہ اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے خلاف کرتے ہیں۔

اے جماعت والوں (سن لو)! اگر یہ رضا دلی رضا ہے تب تو کفر عملی کفر اعتقادی میں تبدیل ہو جاتا ہے، پس کوئی بھی حاکم اللہ کی نازل شدہ شریعت کی علاوہ فیصلہ کرتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے

---

10 ہم اللہ ہی سے عافیت کے طلبگار ہیں (کہ ہم مسلمانوں کی بے جا تکفیر کریں)۔ (شیخ ابن عثیمین)

کہ یہی حکم اس عصر حاضر کے زیادہ لائق ہے جبکہ قرآن وسنت میں موجود حکم پر مبنی فیصلہ اس زمانے کے لائق نہیں تو بلاشبہ اس کا یہ کفر کفرِ اعتقادی ہے نا کہ کفر عملی اور جو کوئی بھی اس قسم کے حکم سے راضی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے[11]۔

مگر اولاً تو آپ ہر حاکم پر جو بعض یا اکثر کافرانہ مغربی قوانین کے مطابق فیصلہ کرتا ہے حکم نہیں لگا سکتے کہ اگر ان سے پوچھا جائے تو وہ یقیناً یہ جواب دیں کہ موجودہ دور میں ان قوانین کے ذریعے حکم کرنا لازم ہے اور اسلام کے مطابق حکم کرنا جائز نہیں۔ وہ کبھی بھی آپ کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کا جواب لازماً یہی ہو گا کہ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق فیصلہ کرنا آج کے دور میں لائق نہیں کیونکہ اگر وہ ایسا کہیں تو بے شک وشبہ وہ کافر ہو جائیں گے۔

اب اگر ہم محکومین یعنی رعایا جن میں علماء اور صالحین وغیرہ بھی شامل ہیں کی طرف آتے ہیں تو آپ لوگ کس طرح ان کی بھی تکفیر کرتے ہیں؟ محض اس وجہ سے کہ وہ ان حکام کے حکم کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں حالانکہ ان حکام کے حکم کے تحت زندگی گزارنے میں تو آپ لوگ (جماعت تکفیر) بھی مکمل طور پر ان کے برابر ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ آپ لوگ ان حکام کے کفار ہونے کا اعلان کرتے پھرتے ہیں لیکن علماء انہیں اس طور پر کفار نہیں کہتے کہ وہ دین سے

---

11 اس کے باوجود ان لوگوں نے ہمیں باطل طور پر مرجئۃ العصر کی تہمت لگانا شروع کر دی۔ (شیخ البانی) مرجئۂ فرقہ کے نزدیک عمل ایمان میں داخل نہیں، اور گناہ کا ارتکاب کرنے سے ایمان میں کمی نہیں ہوتی اور نیکی سے ایمان میں اضافہ نہیں ہوتا۔ (توحید خالص ڈاٹ کام)

ہی مرتد ہو گئے ہیں بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق حکم کرنا واجب ہے اور صرف عملی طور پر کسی حکم کی مخالفت ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عالم یا حاکم دین اسلام سے مرتد ہو گیا۔

ایک شبہ

(ایک بار یا کسی معین معاملہ میں کبھی حکم بغیر ما انزل اللہ کرنے سے کوئی کافر نہیں ہوتا لیکن اگر بار بار یا ہمیشہ حکم بغیر ما انزل اللہ کیا جائے تو کافر ہو جاتا ہے)

ان مناقشوں میں سے جن سے ان کی گمراہی و غلطی واضح ہوتی ہے ایک یہ بھی ہے کہ ہم نے ان سے پوچھا: ہم کب ایک مسلمان جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہے اور کم و بیش نماز بھی پڑھتا ہے ... ہم کب اس پر حکم لگائیں گے کہ وہ دین سے مرتد ہو گیا ہے؟

گویا کہ ان کے نزدیک محض ایک دفعہ ہی حکم بغیر ما انزل اللہ (غیر شرعی فیصلہ) کرنا اس مسلمان کے دین سے مرتد ہونے کے لئے کافی ہے، اگرچہ یہ تکفیری لوگ اپنی زبان حال یا مقال سے یہ جواب نہ بھی دیں مگر ان کا نظریہ تو یہی ہے۔

تو اس سوال سے وہ شش و پنج میں پڑ جاتے ہیں اور ان سے اس کا جواب نہیں بن پاتا۔ تب میں انہیں یہ مندرجہ ذیل مثال دینے پر مجبور ہو جاتا ہوں، چنانچہ میں ان سے کہتا ہوں:
ایک قاضی ہے جو شریعت کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور یہی اس کی عادت ہے لیکن کسی ایک

فیصلے میں اس کا قدم پھسل گیا اور وہ شریعت کی مخالفت کر بیٹھا یعنی کسی ظالم کو حق دے دیا اور مظلوم کو محروم کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ حکم بغیر ما انزل اللہ نہیں ؟

کیا آپ کہیں گے کہ وہ کفر یعنی مرتد ہونے والے کفر کا مرتکب ہوا؟

انہوں نے جواب دیا: نہیں۔

ہم نے کہا: کیوں نہیں اس نے اللہ کی شریعت کی مخالفت کی ہے ؟

انہوں نے جواب دیا کہ : یہ تو اس سے صرف ایک بار ہی صادر ہوا ہے۔

ہم نے کہا: بہت خوب اب اس قاضی سے یہی خلافِ شرع حکم دوبارہ صادر ہوا یا اس کے علاوہ کوئی اور حکم صادر ہوا جس میں اس نے شریعت کی مخالفت کی، تو کیا اب وہ کافر ہوا؟

میں نے سہ بار، چار بار اس بات کو دہرایا کہ کب ہم کہیں گے کہ اس نے کفر کیا؟ وہ اس کی کوئی حد مقرر نہ کر پائے کہ کتنی تعداد میں وہ شریعت کے خلاف حکم کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔

جبکہ اس کے بالکل برعکس ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر آپ یہ جان جائیں کہ وہ اپنی زندگی کے ایک

غیر شرعی حکم کو بھی مستحسن گردانتا ہے اور حکم اسلامی سے قباحت کا اظہار کرتا ہے تو آپ اس کے بارے میں ارتداد کا حکم لگا سکتے ہیں۔ جبکہ دوسری جانب اگر آپ اسے دسیوں خلاف شرع حکم کرتے ہوئے پائیں مگر آپ کے اس پوچھنے پر کہ اے شیخ آپ نے اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق فیصلہ کیوں نہیں کیا؟ وہ قسمیں کھاتے ہوئے کہے گا کہ میں ڈر گیا تھا یا مجھے اپنی جان کا خطرہ لاحق تھا یا پھر میں نے رشوت لی تھی وغیرہ اور اس آخر الذکر عذر کا حال تو پہلے دو سے بھی بدتر ہے لیکن باوجود اس کے آپ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کافر ہے یہاں تک کہ وہ اعلان کرے۔ یعنی اپنے دل میں پنہاں کفر کو آشکارا کرے کہ وہ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم کو جائز نہیں سمجھتا تب کہیں جا کر آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کافر و مرتد ہے۔

استحلال قلبی اور استحلال عملی میں فرق

چنانچہ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس چیز کی معرفت بے حد ضروری ہے کہ کفر بھی فسق و ظلم کی طرح دو اقسام میں تقسیم ہوتا ہے یعنی ملت اسلامیہ سے خارج کرنے والا کفر، فسق اور ظلم، اور یہ تب ہوتا ہے جب استحلال قلبی (دلی طور پر حرام کو حلال جاننا) کیا جائے اور اس کے برعکس یعنی کفر، فسق اور ظلم جو ملت اسلامیہ سے خارج نہ کرے اس وقت ہوتا ہے جب استحلال عملی (عملاً حرام کا مرتکب ہونا لیکن دل سے اسے حرام جاننا) کیا جائے۔

لہذا تمام گنہگار اور خصوصاً سود کا استحلال جو دور حاضر میں بہت عام ہے، یہ سب کفر عملی کی مثالیں ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم ان گنہگاروں کو کافر قرار دیں محض ان

کے معصیت کے مرتکب ہونے اور عملی استحلال کرنے کی بنیاد پر یہاں تک کہ جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے ہم پر ظاہر ہو جائے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حرام کردہ کو عقیدتاً حرام نہیں سمجھتے۔ اگر ہم یہ جان جائیں کہ وہ اس دلی طور پر مخالفت کے مرتکب ہوئے ہیں تب ہم ان پر مرتد ہونے والے کفر کا حکم لگائیں گے اور اگر ہم یہ نہ جان پائیں تو ہمیں قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ ہم ان پر کفر کا حکم لگائیں کیونکہ ہمیں یہ ڈر ہے کہ بادل ناخواستہ ہم نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ اس وعید کے مستحق نا بن جائیں:

"من كفّر مسلماً فقد باء به أحدهما"(12)

(جس نے کسی مسلمان کی تکفیر کی تو وہ ان میں سے کسی ایک پر لوٹتی ہے)۔

اور اس حدیث کے ہم معنی بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اس مناسبت سے ہم اس صحابی کا قصہ ذکر کریں گے کہ جنہوں نے ایک مشرک پر غلبہ حاصل کیا تو یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ اس مسلمان صحابی کے تلوار کی زد میں ہے اس مشرک نے جھٹ سے کلمہ پڑھ لیا "أشهد أن لا إله إلا الله" اس صحابی نے اس کے کلمہ پڑھنے کی کوئی پرواہ نہیں کی اور اسے قتل کر دیا۔ جب اس ماجرے کی خبر رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے انتہائی شدت کے ساتھ اس پر انکار کیا جیسا کہ آپ سب لوگ جانتے ہیں۔ انہوں نے عذر پیش کیا کہ اس نے محض اپنی جان

---

[12] صحیح بخاری 6103 کے الفاظ ہیں: "إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا"۔ (توحید خالص ڈاٹ کام)

بچانے کے لئے کلمہ پڑھا تھا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ھلاّ شققت عن قلبه ؟!''[13]

(کیوں نہ تو اس کا دل چاق کر کے دیکھ لیتا کہ اس نے جان بچانے کے لئے ایسا کہا تھا؟!)۔

لہذا جو کفر اعتقادی ہوتا ہے اس کا اساسی تعلق مجرد عمل سے نہیں ہوتا[14] بلکہ اس کا تعلق تو دل سے ہوتا ہے اور ہم یہ بالکل نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں معلوم ہے اس فاسق یا فاجر یا چور یا سود خور وغیرہ کے دل میں کیا ہے یہاں تک کہ جو کچھ اس کے دل میں ہے زبان اس کی گواہی دے۔ جہاں تک اس کے عمل کا معاملہ ہے تو وہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ اس نے شریعت کی مخالفت کی یعنی عملی مخالفت۔

---

13 صحیح مسلم 98 کے الفاظ ہیں: ''أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ''۔(توحید خالص ڈاٹ کام)

14 شیخ البانی اس پر تعلیق فرماتے ہیں کہ: ''اعمال میں کچھ ایسے ہیں کہ جن کے مرتکب پر کفر اعتقادی کا حکم لگایا جاسکتا ہے کیونکہ وہ اس کے کفر پر اس طور پر یقینی وقطعی دلالت کر رہے ہوتے ہیں کہ گویا اس کا وہ فعل اس کے زبان کے قائم مقام کفر کا اقرار کر رہا ہوتا ہے۔ مثلاً مصحف کو پیروں تلے روندنا جانتے ہوئے کہ یہ مصحف قرآنی ہے اور پھر بھی اس کی اہانت کا قصد کرتے ہوئے ایسا کرے۔ اسی طرح ایک اور تقریر میں فرماتے ہیں کہ جو اللہ ورسول کا مذاق اڑائے اور انہیں گالی دے وہ بھی کافر ہے کیونکہ ایک مسلمان جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان ہو اس سے یہ تصور نہیں کیا جاسکتا ہے وہ ایسا عمل کرے۔ لہذا یہ عمل ہی اس کے کفر اعتقادی کی دلیل ہے، کیونکہ اس عمل نے جو کچھ اس کے دل میں چھپا تھا ظاہر کر دیا۔

جس پر ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ تو نے مخالفت کی اور فسق وفجور کیا لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ تو نے کفر کیااور دین سے مرتد ہو گیاتا آنکے اس سے کوئی چیز ایسی ظاہر ہو جو اللہ تعالی کے پاس ہمارا عذر بن سکے کہ ہم نے اس ظاہر ہونے والی چیز کی بنیاد پر ارتداد کا حکم لگایا تھا۔ اور اس کے مرتد ہوتے ہی اسلام کا معروف حکم اس پر نافذ ہو گا میری مراد رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

"مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ"[15]

(جو (مسلمان ہونے کے بعد) اپنا دین بدل دے اسے قتل کردو)۔

مرتد کے بارے میں حکم کا عملی نفاذ؟

مزید یہ کہ میں نے ان حکام کی تکفیر کرنے والوں سے کہااور اب بھی کہتا ہوں کہ، بالفرض مان لو کہ ان حکام کا کفر کفرِ ارتداد ہے اور ان کے اوپر ایک اور حاکم اعلی ہے تو اس حاکم اعلی پر یہ واجب ہوتا ہے کہ وہ مذکورہ بالا حدیث میں وارد حد کو ان پر نافذ کرے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ عملی اعتبار سے آپ لوگوں کو کیا فائدہ ہو گا اگر ہم بالفرض یہ تسلیم کرلیں کہ تمام حکام کافر ہیں مرتد ہیں؟ آپ کے لئے کیا کار گزاری کرنا ممکن ہے؟

یہ کفار (بقول آپ کے) تو اکثر اسلامی ممالک پر قابض ہیں اور حکومت کر رہے ہیں اور افسوس

---

15 صحیح بخاری 3017۔

کی بات ہے کہ ہم بھی یہاں فلسطین پر یہود کے قبضہ کا شکار ہیں۔

تو سوال یہ ہے کہ آپ یا ہم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں، کیا آپ جن حکام کو اپنے زعم میں کافر قرار دیتے ہیں ان کے خلاف کوئی عملی کاروائی کرنے کی ہمت رکھتے ہیں (16)؟

---

16 شیخ ابن عثیمین فرماتے ہیں: "شیخ البانی نے یہ بہت بہترین بات کہی یعنی جو لوگ حکام پر کفر کا حکم لگاتے ہیں تو اس سے انہیں کچھ استفادہ بھی پہنچتا ہے؟ کیا وہ ان حکام سے گلو خلاصی حاصل کر سکتے ہیں؟ نہیں وہ اس کی استطاعت نہیں رکھتے جب یہود جو تقریباً پچاس برس سے فسلطین پر قابض ہے اس کے باوجود پوری امت عرب ہوں یا عجم اسے اس کی جگہ سے ٹس سے مس تک نہیں کر سکے تو ہم کس طرح اپنی زبان کو ان حکام کے خلاف آلودہ کریں جو ہم پر حکومت کرتے ہیں؟ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم انہیں زائل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تو پھر اندازہ کریں کہ ہمارے کسی اقدام سے سوائے خون بہنے، مال لٹنے اور عین ممکن ہے کہ عزت بھی لٹنے کے سوا کسی اور نتیجہ کی امید نہیں، اس طرح ہم ہر گز کسی نتیجہ خیز بات تک نہیں پہنچ سکتے۔ تو پھر کیا فائدہ؟ حتی کہ اگر کوئی انسان دل میں یہ اعتقاد رکھتا ہے جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہے کہ ان حکام میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ جن کا کفر انہیں حقیقتاً ملت سے خارج کرتا ہے، تب بھی اس کے اعلان کرنے اور اشاعت کرنے سے اسے سوائے فتنے کی آگ کو ہوا دینے کہ اور کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ لہذا شیخ البانی کا یہ کلام نہایت مفید ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں ان سے اختلاف کرنے کی گنجائش ہے کہ آپ ان پر کفر کا حکم نہیں لگاتے سوائے اس کے کہ وہ دلی طور پر اس کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھیں، اس مسئلہ میں کچھ مزید غور وفکر کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہمارا یہ کہنا ہے کہ جو کوئی بھی اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرتا ہے لیکن وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ غیر اللہ کا حکم زیادہ لائق ہے تو وہ کافر ہے اگرچہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ کرے، اور اس کا کفر عقیدہ کا کفر ہے"۔

اس لئے کیا ہی اچھا ہوا گر آپ اس معاملہ کو ایک طرف رکھ دیں اور اس قاعدہ واصول کی بنیاد ڈالنے میں سر گرم ہو جائیں جس کی اساس پر ایک حقیقی اسلامی حکومت قائم ہوتی ہے۔ اور وہ

(شیخ البانی اس بات پر تعلیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "مجھے (شیخ ابن عثیمین کی) اس مخالفت کی کوئی وجۂ احتمال نظر نہیں آتی کیونکہ میرا تو یہی کہنا ہے کہ اگر کوئی انسان چاہے وہ حاکم نہ بھی ہو یہ سمجھتا ہے کہ غیر اسلامی حکم اسلامی حکم سے بہتر ہے خواہ وہ عملی طور پر اسلام کے موافق ہی فیصلہ کیوں نہ کرے، وہ کافر ہے۔ تو پھر ثابت یہ ہوا کہ اس بات میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں کیونکہ اصل مرجع تو جو انسان کے دل میں ہے وہی ہوا۔ مگر ہمارا کلام تو عمل سے متعلق ہے۔ اور میرے گمان میں یہ ممکن نہیں کے کوئی غیر شرعی قانون نافذ کرے جس سے وہ اللہ کے بندوں میں فیصلے کرے الا یہ کہ وہ اسے استحلال ہی کرتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ شرعی قانون سے بہتر ہے اور ظاہر بات ہے کہ ایسا شخص تو کافر ہے، ورنہ کس چیز نے اسے اس بات پر ابھارا؟ (کہ وہ غیر شرعی فیصلہ کرے)۔

لیکن ہاں! یہ عین ممکن ہے کہ جس چیز نے اسے اس پر ابھارا ہو وہ دوسرے لوگوں کا خوف ہو جو اس سے زیادہ طاقتور ہیں اور اگر وہ اس غیر شرعی فیصلے کو نافذ نہیں کرتا تو وہ اسے اپنے حق میں مداہنت متصور کریں گے۔ تو اس صورت میں ہم کہیں گے کہ اس کا حکم دیگر معاصی کے بارے میں مداہنت سے کام لینے والے کے حکم کا سا ہے۔ جو چیز اس باب میں سب سے اہم ہے وہ مسئلۂ تکفیر ہے جو اس عمل یعنی ان حکام کے خلاف خروج پر منتج ہوتا ہے اور یہی اصل مصیبت ہے۔ جی ہاں! اگر انسان کے پاس اتنی طاقت وقدرت ہو کہ وہ ہر اس کافر حاکم کا صفایا کر دے جس کی مسلمانوں پر حکومت ہے تو ہم اسے خوش آمدید کہیں گے اس صورت میں کہ وہ (حدیث میں مذکور شرط کے مطابق) کفر بواح (کھلم کھلا کفر) کا مرتکب ہو اور ہمارے پاس اس پر اللہ تعالی کی طرف سے برھان (واضح دلیل) ہو۔ لیکن حقیقت میں مسئلہ کی یہ نوعیت نہیں اور نہ ہی یہ اس قدر آسان ہے"۔ (شیخ البانی)

سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہے جس پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت کی اور اسی کے نظام و اساس پر انہیں پروان چڑھایا۔

غلبہ واقامت دین کا صحیح طریقۂ کار کیا ہے؟

ہم اس طرح کی کئی ایک مناسبات میں یہی تعبیر پیش کرتے چلے آئے ہیں کہ ہر اس جماعت کے لئے یہ ایک لازم امر ہے جو نہ صرف اسلامی ممالک میں بلکہ پوری دنیا میں کماحقہ اسلامی حکم کے نفاذ کے لئے کوشاں ہے اللہ کے اس فرمان کے پیش نظر:

﴿هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (التوبۃ:٣٣)

(اسی (اللہ تعالیٰ) نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے تمام دیگر ادیان پر غالب کردے اگرچہ مشرک برا ہی مانیں)

اسی طرح بعض احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ یہ آیت آنے والے دور میں متحقق ہو جائے گی۔ تو کیا اس آیت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مسلمانوں کو ان حکام کے خلاف انقلاب کے اعلان سے کام شروع کرنا چاہیے جن کے بارے میں ان کا گمان ہے کہ ان کا کفر، کفرِ ارتداد سے کم نہیں اگرچہ یہ گمان فاسد ہے لیکن پھر بھی وہ انہیں کافر قرار دینے کے باوجود کچھ کرنے کی سکت

نہیں رکھتے[17]۔

---

17 شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ سے مندرجہ ذیل شبہہ کے متعلق سوال کیا گیا:
بہت سے نوجوانوں کو ایک شبہہ درپیش ہے جو ان کے ذہنوں پر سوار رہتا اور انہیں اس مسئلہ خروج پر عمل پیرا ہونے پر برانگیختہ کرتا ہے۔ وہ شبہہ یہ ہے کہ چونکہ یہ حکام اللہ تعالی کی نازل کی ہوئی شریعت کے بجائے خود ساختہ وضعی قوانین کو نافذ کئے ہوئے ہیں اس لئے یہ نوجوان ان پر کفر وارتداد کا حکم لگاتے ہیں، اور اسی بات کو بنیاد بناتے ہوئے کہ جب تک یہ اپنے کفر پر قائم ہیں ان کے خلاف قتال واجب ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہ نوجوان اپنے ضعف و کمزوری کی طرف بھی نظر نہیں کرتے کیونکہ کمزوری کی حالت میں جو خاص احکامات نازل ہوئے تھے وہ ان کے نزدیک آیت سیف (سورۂ توبہ: 5) سے منسوخ ہو چکے ہیں۔ اب مسلمانوں پر اس مرحلۂ کمزوری پر عمل کرنے کا موقع لوٹ کر نہیں آیا جس میں وہ اپنے ابتدائی دور مکی میں مبتلا تھے!!

آپ نے اس شبہہ کے جواب میں ارشاد فرمایا:

''سب سے پہلے ہم پر یہ جاننا لازم ہے کہ کیا ان حکام پر مرتد ہونے کا حکم چسپاں ہوتا بھی ہے یا نہیں؟
اس سلسلے میں سب سے پہلے ان دلائل کی معرفت حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے جو اس بات پے دال ہوں کہ آیا یہ قول یا عمل ارتداد ہے اور پھر اس کا اطلاق کسی معین شخص پر کرنا اور اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا کہ مبادا اس شخص کے پاس کوئی شبہہ تو نہیں؟ یعنی کبھی کوئی نص اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فلاں عمل یا فلاں قول کفر ہے لیکن ساتھ ہی کوئی ایسا مانع موجود ہو سکتا ہے جو اس شخص معین پر کفر کے اطلاق کی راہ میں مانع ہو۔ اور موانع تو بہت سے ہو سکتے ظن یعنی جہل اور جذبات کا غلبہ وغیرہ۔

مثال کے طور پر وہ شخص جس نے اپنے گھر والوں کو کہا کہ: ''جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا اور میری راکھ کو ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہا دینا کیونکہ اگر اللہ تعالی نے مجھ پر قابو پا لیا تو ایسا عذاب کرے گا جو سارے جہان میں سے کسی کو نہیں دیگا''۔ اس حدیث کو بخاری 3478 و مسلم 2759 نے سیدنا ابو سعید خدری

رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اب اگر دیکھا جائے تو اس شخص کا ظاہر عقیدہ تو کفر اور اللہ کی قدرت کاملہ پر شک کرنے پر مبنی تھا لیکن جب اللہ تعالی نے اس کی راکھ کو جمع کر کے زندہ سالم کھڑا کر دیا اور مخاطب ہوا تو اس شخص نے کہا: ''اے میرے رب میں تجھ سے ڈر گیا تھا'' یا اسی جیسا کوئی کلمہ کہا اور اللہ نے اسے معاف فرما دیا۔ گویا کہ اس کا یہ فعل اس سے تاویلاً صادر ہوا۔ (یعنی اس کی یہ مراد و مقصود نہ تھا)۔

اسی کی مانند اس شخص کا قصہ جس کے خوشی کے جذبات اس پر غالب آ گئے اور وہ اپنی اونٹنی کو پکڑتے ہی پکار اٹھا: ''اللَّهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ'' (صحیح مسلم 2748) (اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب!!)۔ اسے بھی بخاری و مسلم نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

بے شک یہ تو ایک کلمہ کفر ہے مگر کیا اس شخص کی اس بنا پر تکفیر کی گئی کیونکہ وہ تو اپنی شدت خوشی میں اپنے آپے سے باہر ہو گیا اور اس شدت جذبات کی رو میں بہہ کر اس سے اس صحیح کلمہ کی ادائیگی میں خطا ہو گئی۔ یعنی وہ کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ اے اللہ! میں تیرا بندہ اور تو میرا رب لیکن کہہ یہ گیا کہ اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب۔

اسی طرح سے وہ شخص جسے کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہہ دے یا کسی کفریہ فعل کا ارتکاب کر لے تو نص قرآنی (النحل: 106) اس بات پر شاہد ہے کہ وہ کافر نہیں کیونکہ اس میں اس کا اپنا ارادہ واختیار شامل نہیں تھا۔

جہاں تک ان حکمرانوں کا تعلق ہے تو یہ اپنے انفرادی و شخصی مسائل جیسے نکاح و وراثت وغیرہ میں تو اسی چیز کے مطابق حکم کرتے ہیں جس پر قرآن دلالت کرتا ہے اپنے اپنے اختلاف مذاہب کو ملحوظ رکھتے ہوئے، لیکن جب معاملہ لوگوں کے درمیان حکم کرنے کا آتا ہے تو یہاں وہ مخالفت کرتے ہیں۔۔۔ اور ان کے پاس ایک شبہہ ہوتا ہے جو علماء سوء نے ان کے دلوں میں ڈالا ہوتا، کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ'' (صحیح مسلم 2365) (تم لوگ اپنے دنیا کے معاملات کو زیادہ بہتر جانتے ہو)، اور کہتے ہیں یہ حکم

عام ہے، پس ہر اس بات میں جس سے دنیاوی مصالح حاصل ہوتے ہوں ہمیں آزادی حاصل ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا ہی فرمان ہے: ’’أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ‘‘۔

بلاشبہ یہ ایک شبہہ ہے لیکن ہم یہ دیکھیں کہ کیا یہ انہیں اس بات کا جواز فراہم کرتا ہے کہ وہ اقامت حد اور شراب نوشی سے منع کرنے وغیرہ جیسے اسلامی قوانین سے روگردانی کریں؟ اگر بالفرض بعض اقتصادی مسائل میں انہیں یہ شبہہ لاحق ہو لیکن ان (مذکورہ بالا) امور میں تو کوئی شبہہ کی بات ہی نہیں۔

اس بیان کردہ اشکال کے آخر میں جو (ضعف وقوت سے متعلق) پیش کیا گیا کہ جواب میں ان سے کہا جائے گا کہ جب اللہ تعالی نے جہاد فرض ہو جانے کے بعد بھی فرمایا:

﴿اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴾ (الأنفال: 65)

(اگر تم میں بیس بھی صبر کرنے والے ہوں گے، تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے۔ اور اگر تم میں ایک سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے اس واسطے کے وہ بے سمجھ لوگ ہیں)۔

تو یہاں کیا تناسب ہے ایک کے مقابلہ میں دس۔

پھر اللہ تعالی اس کے بعد کیا فرماتے ہیں:

﴿اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (الأنفال: 66)

(اچھا اب اللہ تمہارا بوجھ ہلکا کئے دیتا ہے، اور وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں کچھ کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حالت کمزوری کی مناسبت سے ہے اور حکم اپنی علت کے ساتھ ہی گردش کرتا ہے۔ لہذا بعد اس کے کہ اللہ تعالی نے ان پر دس کے مقابلے میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا تھا اب

پھر وہ کیا منہج اور کیا طریق کار ہے کہ جس پر چل کر اس بر حق نباء قرآنی کہ: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔۔۔﴾ (التوبة: ۳۳) (اسی (اللہ تعالی) نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے تمام دیگر ادیان پر غالب کردے) کو حقیقت کا روپ دیا جاسکتا ہے۔ بے شک اس کا ایک ہی طریقۂ کار ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یاددہانی کروایا کرتے تھے اور اپنے ہر خطبہ میں دہراتے رہا کرتے تھے:

فرمایا: ﴿اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا﴾ (اچھا اب اللہ تمہارا بوجھ ہلکا کئے دیتا ہے، اور وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں کچھ کمزوری ہے)۔ پھر ہم ان سے یہ بھی کہتے ہیں ہمارے پاس ایسے محکم نصوص موجود ہیں جو اس امر کو بیان کرتے ہیں اور اس کی خوب وضاحت کرتے ہیں مثلاً ان ہی میں سے اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: 286) (اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا) پس اللہ تعالی کسی نفس کو اس کی قدرت واستطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اور اللہ تعالی کا یہ بھی فرمان ہے کہ: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: 16) (پس جہاں تک تم سے ہوسکے اللہ سے ڈرتے رہو)۔

اگر ہم بالفرض یہ مان بھی لیں کے راسخ العلم علماء کرام کی بیان کردہ شروط وضوابط کے تحت ایسے حاکم پر بیان کردہ خروج واجب ہے، تب بھی وہ ہم پر واجب نہیں ہوگا کیونکہ ہم اس کو راہ سے ہٹانے کی طاقت نہیں رکھتے، لہذا یہ بات تو بالکل واضح ہے۔۔۔ مگر (حقیقت یہ ہے کہ) ہوائے نفس انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی"۔

’’وَخَيْرُ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ‘‘[18]

(اور بہترین ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے)۔

اسی لئے تمام مسلمانوں اور خصوصاً جو نہ صرف مسلم ممالک کو بلکہ پوری دنیا کو اسلامی حکم کے زیر سایہ لانے کا اہتمام کرتے ہیں پر یہ واجب ہے کہ وہ وہاں سے دعوت کا آغاز کریں جہاں سے رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تھا۔ جسے ہم دو ہلکے سے کلمات کے ساتھ کنایہ کرتے ہیں اور وہ ہیں: التصفیہ والتربیہ۔

رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ’’التصفیہ والتربیہ‘‘

کیونکہ ہم ایک ایسی حقیقت جانتے ہیں جس سے یہ لاعلم ہیں یا تجاہل عارفانہ برتتے ہیں بلکہ تجاہل عارفانہ ہی کہنا ان کے زیادہ مناسب حال ہو گا کیونکہ اس سے لاعلمی تو ممکن نہیں، پس اس حقیقت سے یہ غالی شدت پسند کہ جن کے پاس ماسوائے حکام کو کافر قرار دینے کے اور کچھ نہیں تجاہل برتتے ہیں۔ اور ان کا بھی وہی حال ہونا ہے جو ان سے پہلے اللہ کی زمین پر اقامت دین اور حکم اسلامی کی طرف دعوت دینے کے لئے جماعتوں کا ہوا کہ حکام کی تکفیر کا اعلان کیا پھر اس کے بعد سوائے فتنہ وفساد کے ان سے کچھ صادر نہ ہوا۔

گزشتہ کچھ برسوں میں جو کچھ ہوا جیسا کہ آپ کے علم میں ہے حرم مکی کے فتنے سے لے کر

---

[18] صحیح مسلم 870۔

فتنۂ مصر پھر سادات کا قتل اور بہت سے معصوم مسلمانوں کا خون انہی فتنوں کے سبب ناحق بہایا گیا اور پھر آخر میں یہاں سوریا (شام) میں اور افسوس کے ساتھ اب تو الجزائر میں بھی ... الخ۔

ان سب کا ایک ہی سبب ہے انہوں نے کتاب وسنت کے نصوص کی مخالفت کی اور ان میں سے سب سے اہم امر کی بھی مخالفت کی یعنی:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ (الأحزاب:۲۱)

(یقیناً تمہارے لئے ہمیشہ سے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ موجود ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالی کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے)

چناچہ اگر ہم زمین پر حکم الہی نافذ کرنا چاہتے ہیں تو کیا ہمیں اپنے کام کی ابتداء حکام کے قتال سے کرنی چاہیے جبکہ ہم ان سے قتال کی طاقت بھی نہیں رکھتے یا وہاں سے کرنی چاہیے جہاں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی؟

بیشک اس کا یہی جواب ہے کہ: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

ہم دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کس چیز سے ابتدا کی؟

آپ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بعض ایسے افراد کے درمیان دعوت کا آغاز کیا کہ جن میں وہ قبولیت حق کی استعداد محسوس کرتے تھے۔ پھر آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں نے لبیک کہا جیسے کہ سیرت نبوی ﷺ میں یہ بات معروف ہے۔ پھر کمزوری اور مخالفین کے تشدد سے مکہ میں دوچار ہونا، بعد ازیں پہلی پھر دوسری ہجرت کا حکم اور پھر جو اس کے بعد ہوا ... یہاں تک کہ اللہ تعالی نے مدینہ میں اسلام کو قائم کر دیا، پھر جس مڈ بھیڑ کا آغاز ہوا تو ایک طرف مسلمان کفار سے معارکہ آرا تھے تو دوسری طرف یہود سے برسرپیکار ...

اس لئے ہمیں تعلیم سے آغاز کرنا چاہیے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا، لیکن ہم صرف تعلیم نہیں کہیں گے، کیوں؟ یعنی ہم صرف لفظ "تعلیم" پر اکتفا نہیں کر سکتے کہ امت مسلمہ کو تعلیم دینی ہے کیونکہ فی زمانہ ان اسلامی تعلیمات میں وہ چیزیں شامل ہو گئیں ہیں جن کا اسلام سے مطلقاً کوئی واسطہ نہیں بلکہ وہ تو اسلام کی تخریب کاری کا سبب ہیں اور ان ثمرات کو زائل کرنے کا بھی سبب ہیں جو صحیح اسلام پر کاربند ہونے کی صورت میں ہمیں وصول ہونے کا یقین ہے۔

پس داعین اسلام پر یہ واجب ہے کہ اس چیز سے ابتدا کریں جو ابھی بیان کی گئی یعنی:

1-تصفیہ (پاک کرنا):

پاک کرنا اسلام کو ان چیزوں سے جو اس میں داخل ہو گئی ہیں اور اس کے شفاف چہرے کو داغدار کر رہی ہیں۔ جن کا تعلق محض فروعی مسائل یا اخلاقیات سے ہی نہیں بلکہ انہوں نے

عقیدے تک میں فساد برپا کیا ہوا ہے۔

2-تربیہ (تربیت کرنا):

دوسری چیز جو اسی تصفیہ کے مرحلے سے وابستہ ہے وہ تربیت ہے یعنی نوجوانان اسلام کی اس خالص شدہ اسلام پر تربیت کرنا[19]۔

---

19 شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"شیخ البانی سب سے پہلے اسلام کا تصفیہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ آج اسلام میں بہت سی شاخیں (فرقے) پائے جاتے ہیں، عقیدے میں شاخیں، اخلاق میں شاخیں، معاملات میں شاخیں، عبادات میں شاخیں یعنی ان چاروں اہم دینی شعبوں میں۔

مثلاً عقیدے میں: کوئی اشعری ہے کوئی معتزلی ہے اور کوئی یہ ہے کوئی وہ ہے۔

عبادات میں: کوئی صوفی ہے کوئی قادری ہے تو کوئی تیجانی ہے۔۔۔الخ۔

معاملات میں: کوئی استثماری (سرمایہ دارانہ نظام کا حامی) سود کو جائز کہہ رہا ہے تو کوئی حرام، کوئی جوئے کو حلال ٹھہرا رہا ہے تو کوئی حرام۔

تو اس صورتحال میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کو پہلے ان مختلف شاخوں سے تصفیہ کی ضرورت ہے اور اس کے لئے علماء اور طالبعلموں کی جانب سے بہت سخت محنت درکار ہے۔ پھر اس کے بعد ہم نوجوانوں کی ان مختلف شاخوں سے پاک وصاف اسلام پر تربیت کریں گے۔ آخرکار نوجوانوں کی ایک ایسی نسل پروان چڑھی گی جو قرآن وسنت اور سلف صالحین کے فہم کے مطابق عقائد سلیمہ اور آداب واخلاق کریمہ کے حامل ہو گی"۔

اب جب ہم ان موجودہ اسلامی جماعتوں پر نظر دوڑاتے ہیں جو تقریباً پچھلی ایک صدی سے وجود پزیر ہوتی رہی ہیں قطع نظران کے چیخنے چلانے اور اسلامی حکومت کا ڈھنڈورا پیٹنے کے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ کبھی تو معصوم جانوں کا بے دریغ خون بھی بہا مگر سرے سے ہی کوئی فائدہ حاصل ناہوا۔ اور ان تمام باتوں پر مستزاد یہ کہ ان کے کتاب و سنت کے مخالف عقائد ہم سنتے ہی رہتے ہیں اور دعویٰ یہ کہ اسلامی ریاست قائم کرنی ہے۔

اور اسی مناسبت سے ہم ایک جملہ اکثر بیان کرتے رہتے ہیں جو انہیں میں سے کسی داعی کا ہے اور جس کے بارے میں ہم یہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش ان کے پیروکار اس کا التزام کریں اور اسے عملی جامہ پہنائیں، اور وہ جملہ یہ ہے کہ: ''أقيموا دولة الإسلام في قلوبكم، تقم لكم في أرضكم''[20] (اپنے دل پر حکومت اسلامی قائم کرو، وہ تمہارے لئے اللہ تعالی کی جانب سے از خود ہی زمینوں پر قائم کردی جائے گی)۔

کیونکہ اگر کسی مسلمان کا عقیدہ قرآن وسنت کی روشنی میں درست ہو جائے تو اس کے بعد اس کی عبادات، اخلاق وسلوک وغیرہ اپنے آپ ہی درست ہوتے چلے جائیں گے۔

لیکن میری نقد و نظر میں یہ لوگ اس عمدہ جملے پر عمل پیرا نہیں ہوئے اور بس اسلامی ریاست

---

20 شیخ ابن عثیمین فرماتے ہیں کہ یہ بہت ہی پیارا کلمہ ہے۔ واللہ المستعان۔

کے قیام کے کھوکھلے نعرے پر گزارا ہے، لہذا ان پر کسی شاعر کا یہ شعر فٹ ہوتا ہے۔

ترجو النَّجاةَ ولم تَسْلكْ مَسَالكها　　　إنَّ السفينةَ لاتَجري على اليَبس

(تو نجات کا تو خواستگار ہے مگر اس کے مسالک نہیں اپناتا　　　تو جان لے کہ کشتی کبھی بھی خشکی پر نہیں چلا کرتی)

شایہ کہ جو کچھ بیان کیا وہ کفایت کرے اس سوال کے جواب میں ...

تقریظ از سماحۃ العلامہ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ [21]

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وأصحابه ومن اهتدى بهداه أما بعد:

میں فضیلۃ الشیخ محمد ناصر الدین الالبانی (وفقہ اللہ) کے اس نہایت مفید جواب پر مطلع ہوا جو فضیلۃ الشیخ نے سوال "حکم بغیر ما انزل اللہ کے مرتکب کی بلا کسی تفصیل کے تکفیر" کے جواب میں ارشاد فرمایا جسے "صحیفة المسلمون" نے نشر کیا۔

آپ اپنے تالیف کردہ قیمتی کلمات میں حق وصواب مؤقف پر ہیں اور سبیل المومنین کے مسلک کو اپنایا ہے اور آپ (وفقہ اللہ) نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ حکم بغیر ما انزل اللہ کرنے والے کی محض اس کے اس فعل کی بنیاد پر تکفیر کرے بنا یہ جانے ہوئے کہ وہ اسے دلی طور پر حلال جانتا ہے یا نہیں۔ اور آپ نے اس سلسلے میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر سلف امت سے مروی اثر سے حجت پکڑی ہے۔

بلاشبہ آپ نے جو اللہ تعالی کے فرمان ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

---

[21] یہ تعلیق سماحۃ الشیخ علامہ عبدالعزیز بن باز نے علامہ محمد ناصر الدین الالبانی کے سابقہ کلام پر فرمائی ہے رحمۃ اللہ علیہما جو (عربی) مجلة الدعوة، العدد (1511) بتاریخ 1416/5/11ھ الموافق 1995/10/5م میں شائع ہوئی اسی طرح جریدۃ المسلمون، العدد (557) بتاریخ 1416/5/12ھ الموافق 1995/10/6م میں بھی شائع ہوئی۔

الْکٰفِرُوْنَ﴾ اور ﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ اور ﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے وہی حق وصواب ہے۔اور آپ نے یہ بھی وضاحت فرمائی کہ کفر دو قسم کا ہوتا ہے: اکبر اور اصغر جس طرح ظلم کی دو اقسام ہوتی ہیں اور فسق کی بھی دو اقسام ہوتی ہیں یعنی اکبر اور اصغر۔

جو حکم بغیر ما انزل اللہ یا زنا یا سود وغیرہ جیسے محرمات کہ جن کی حرمت پر امت کا اجماع ہے کو حلال جانتا ہے تو اس کا کفر کفرِ اکبر ہے اور ظلم ظلمِ اکبر ہے اور فسق فسقِ اکبر ہے۔

اور جو بنا انہیں حلال جانے ہوئے ان کا مرتکب ہو تو اس کا کفر کفرِ اصغر ہے اور ظلم ظلمِ اصغر ہے اسی طرح فسق بھی۔ کیونکہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

"سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ"[22]

(مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے)۔

اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد فسقِ اصغر اور کفرِ اصغر ہے لیکن اس لفظ کا اطلاق اس فعل منکر سے نفرت دلانے کے لئے کیا گیا۔اسی کی مانند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ:

---

[22] تخریج گزر چکی ہے۔

’’اثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ، الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ، وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ‘‘[23]

(لوگوں میں دو ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ کفر پایا جاتا ہے (اور وہ یہ ہیں) حسب و نسب پر طعن کرنا اور میت پر نوحہ کرنا)۔

اور سیدنا جریر رضی اللہ عنہ سے روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ‘‘[24]

(میرے بعد کفار نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو)۔

اور اسی معنی کی احادیث بہت سی ہیں۔

اسی لئے ہر مسلمان پر اور خصوصاً علماء کرام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تمام امور کی اچھی طرح سے جانچ کرلیا کریں، اور کسی بارے میں حکم کتاب وسنت اور سلف صالحین کے طریقہ کی روشنی میں ہی صادر کیا کریں اور اس کج روی سے بچیں جس پر بہت سے لوگ گامزن ہیں کہ وہ (لوگوں پر) احکام کا اطلاق بنا کسی تفصیل کے کردیتے ہیں۔

---

23 صحیح مسلم 70۔

24 صحیح بخاری 7077، صحیح مسلم 68۔

علماء کرام کو چاہیے کہ وہ یہ احتیاط کریں کہ دعوت الی اللہ اور دین اسلام کی وضاحت کا کام قرآن وسنت کے تفصیلی دلائل کی روشنی میں کیا کریں۔ اور لوگوں کو اس پر استقامت کی ترغیب دیں۔ اور وصیت و نصیحت کو بروکار لاتے ہوئے انہیں ہر اس چیز سے خبردار کریں جو احکام اسلام کے منافی ہو۔

یہی وہ طریقۂ کار ہے کہ جس پر چل کر ہم اس مسلک کی پیروی کرنے والے کہلائیں گے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سبیل حق کو واضح کرنے اور اس کی جانب رہنمائی کرنے، اسی طرح اس سبیل حق کے مخالف امور سے خبردار کرنے کے سلسلے میں اپنایا تھا۔ اللہ تعالی کے ان فرامین پر عمل کرتے ہوئے کہ:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾

(فصلت: ۳۳)

(اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں)

اور:

﴿قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللّٰهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَاْ وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (یوسف: ۱۰۸)

(آپ کہہ دیجئے کہ میری راہ یہی (دین وتوحید) ہے جس پر میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ۔ اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں)

اور:

﴿ٱدۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلۡحِكۡمَةِ وَٱلۡمَوۡعِظَةِ ٱلۡحَسَنَةِۖ وَجَٰدِلۡهُم بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُ﴾ (النحل: ۱۲۵)

(اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ دعوت دیں اور ان سے جدال بھی کریں تو احسن طریقہ سے...)

اور نبی اکرم ﷺ کا فرمان کہ:

”مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ“[25]

(جو خیر و بھلائی کی طرف رہنمائی کرے تو اسے بھی اس بھلائی پر عمل کرنے والے کی مانند ثواب ہو گا)۔

25 صحیح مسلم 1895۔

’’مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا‘‘[26]

(جو ہدایت کی طرف دعوت دے اسے اس ہدایت کی اتباع کرنے والوں کی مانند ثواب ہوگا، اور یہ ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں سے کوئی کمی نہیں کرے گا۔اور جو گمراہی کی طرف دعوت دے اسے اس گمراہی کی اتباع کرنے والوں کی مانند گناہ ہوگا، اور یہ ان عمل کرنے والوں کے گناہوں میں سے کوئی کمی نہیں کرے گا)۔

رسول اللہ ﷺ نے جب خیبر کے یہودیوں کی جانب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مبعوث فرمایا تو ہدایت فرمائی کہ:

’’ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللهِ فِيهِ، فَوَاللهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ‘‘[27]

(انہیں سب سے پہلے اسلام کی طرف دعوت دینا اور اسلام کی نسبت سے اللہ تعالی کا جو حق ان پر بنتا ہے اس کے متعلق انہیں خبر دینا، اللہ کی قسم اگر تمہاری سبب سے ایک شخص بھی ہدایت پا گیا تو وہ تمہارے لئے اس سے کئی بہتر ہے کہ تمہارے پاس سرخ اونٹ ہوں)۔

---

[26] صحیح مسلم 2676۔

[27] صحیح بخاری 3701، صحیح مسلم 2409۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں تیرہ سال رہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی توحید اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی طرف نصیحت، حکمت، صبر وخوش اسلوبی سے لوگوں کو دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ جن کے نصیب میں سعادت مندی لکھی جاچکی تھی انہیں اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں ہدایت سے سرفراز کیا۔

بعدازیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم بدستور مستقل مزاجی سے حکمت، بہترین نصیحت، صبر اور احسن طور پر جدال کے ساتھ دعوت الی اللہ کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کافروں کے خلاف تلوار کے ساتھ جہاد کو مشروع کردیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس فریضۂ جہاد کو کماحقہ بوجوہِ اکمل انجام دیا۔ تب اللہ تعالی نے بھی ان کی مدد ونصرت فرمائی اور وہ بالآخر انجام بخیر کے سزاوار ٹھہرے۔

اور اسی طرح کی نصرت وانجام بخیر تاقیام قیامت ہر اس شخص کا مقدر ہے جو احسن طریقہ پر ان کی اتباع کرے اور ان کے منہج پر گامزن ہو۔ اللہ تعالی سے یہ دعاء ہے کہ وہ ہمیں اور تمام اسلامی بھائیوں کو ان کی احسن طور پر اتباع کرنے والوں میں سے بنادے۔ اور وہ ہمیں اور تمام داعیان دین بھائیوں کو کارآمد بصیرت افروزی اور عمل صالح کی توفیق عنایت فرمائے۔ اور حق بات پر صبر کرنے کی توفیق سے نوازے یہاں تک کہ ہم اس سبحانہ وتعالی سے ملاقات کریں۔

إنه ولي ذلك والقادر عليه. وصلى الله وسلم على نبينا محمد وآله وأصحابه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

شیخ البانی وابن باز رحمہ اللہ کے کلام پر تقریظ از فقیہ الزمان محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

جو کچھ شیخین کے کلام سے سمجھ میں آتا ہے[28] وہ یہ ہے کہ: کفر اس شخص کا ہوگا جو اس (غیر شرعی فیصلے) کا استحلال کرے اور جو معصیت ومخالفت جانتے ہوئے ایسا حکم کرے تو ایسا شخص کافر نہیں کہلائے گا، کیونکہ وہ اسے حلال جانتے ہوئے ایسا نہیں کرتا بلکہ کبھی خوف یا عجز یا اسی طرح کے حالات میں ایسا کر گزرتا ہے۔ چناچہ اس صورت میں یہ تین آیات[29] تین قسم کے احوال سے متعلق ہوئیں:

1- جو بغیر ما انزل اللہ حکم کرتا ہے اللہ کے دین کو بدل کر تو یہ کفر اکبر ہے جس سے وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے، کیونکہ اس نے اپنے آپ کو اللہ تعالی کے ساتھ شریعت ساز بنالیا اور اس کی شریعت کو اپنے رسم ورواج کے خلاف جانا۔

2- جو اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے یا خوف وغیرہ کی وجہ سے ایسا حکم کرتا ہے تو ایسا شخص کافر تو نہیں ہوگا لیکن فسق کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

---

28 شیخ ابن عثیمین پر شیخ البانی کے مسئلۂ تکفیر وحکم بغیر ما انزل اللہ سے متعلق سابقہ کلام پیش کئے جانے کے بعد آپ پر اسی کلام پر لکھی گئی شیخ ابن باز کی تعلیق بھی پیش کی گئی تو آپ نے ان دونوں شیخین کے کلام پر ایک مجمل ونافع تعلیق فرمائی جو دراصل خلاصہ ہے شیخین کے مندرجہ بالا کلام کا۔ اللہ سے دعاء ہے کہ اس سے ہم سب کو نفع پہنچائے۔

29 یعنی اللہ تعالی کا فرمان ﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ﴾ اور ﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ﴾ اور ﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ﴾ (المائدۃ، الآیات: 44، 45، 47)۔

3-جو سرکشی و ظلم سے ایسا حکم کرتا ہے لیکن وہ عام قوانین میں ایسا نہیں کرتا بلکہ کسی خاص حکم میں ایسا کر گزرتا ہے مثلاً ایک انسان سے انتقام لینے کی غرض سے اس کے حق میں اس نے حکم بغیر ما انزل اللہ کیا، تو ایسے شخص کو کہا جائے گا کہ یہ ظالم ہے۔ لہذا یہ اوصاف حسب احوال ہی نازل ہوئے۔

اور علماء میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ تینوں اوصاف ایک یہ موصوف کے ہیں کیونکہ ہر کافر ظالم ہوتا ہے اسی طرح سے ہر کافر فاسق بھی ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالی کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں:

﴿وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾(البقرۃ: ۲۵۴)

(اور کافر ہی ظالم ہیں)

اور اس فرمان سے کہ:

﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ﴾(السجدۃ: ۲۰)

(جبکہ جن لوگوں نے فسق کیا تو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے)

یہاں فسق سے مراد فسقِ اکبر ہے۔

تاہم معاملہ ان میں سے جو بھی ہو اس کے نتیجہ پر نظر رکھیں کہ اس کا انجام کیا ہو گا جس کی طرف شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا؟ یہ محض نظریاتی مسئلہ نہیں بلکہ جو چیز اہم ہے وہ اس کی عملی تطبیق ہے اس کا کیا نتیجہ ہو گا (اس بارے میں سوچنا چاہیے)؟

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وآله وأصحابه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.